© rasailojaraid.com

عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا اور اُن کے مآخذ پر ایک نظر

از سعید احمد اکبر آبادی

(۲)

اب حج کے موسم میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل سے گفت و شنید اور ان کو دعوتِ اسلام کا پروگرام بنایا تو اُن میں جو لوگ دعوتِ اسلام کو قبول کرنے پر آمادہ ہوتے تھے ان سے بیعت لینے کے لئے ایک محفوظ جگہ کی ضرورت تھی، اس کے لئے آپ نے عقبہ کا انتخاب فرمایا، عقبہ کے معنی گھاٹی ہیں جو دو پہاڑوں کے بیچ میں ہوتی ہے، ڈاکٹر محمد حمید اللہ جنھوں نے بڑی محنت اور شوق و ذوق سے حجازِ مقدس کے اہم تاریخی مقامات کو خود جاکر دیکھا اور واقعات کی روشنی میں ان کا جغرافیائی جائزہ لے کر اُن کے حدود کا تعین و تشخص کیا ہے اس عقبہ کے متعلق لکھتے ہیں:-

"منیٰ کے قریب راستے کے دونوں طرف پہاڑوں کی ایک مسلسل دیوار ہے، مکہ سے جائیں تو حدودِ منیٰ شروع ہونے کو بمشکل ایک فرلانگ رہتا ہے کہ بائیں ہاتھ پر اس پہاڑی دیوار میں ایک چھوٹا سا خم دَر آتا ہے جو کمان بلکہ نصف دائرہ کی شکل کا ہے اور اتنا بڑا کہ لاہور کی جامع مسجد یا حیدرآباد کی مکہ مسجد مع اپنے صحنوں کے اس کے اندر سما سکیں، یہ مقام عقبہ کہلاتا ہے، اس کے اندر ایک بہت بڑا کنواں ہے اور اندر آج کل زراعت بھی ہوتی ہے، اور جس مقام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر مشہور بیعت ہائے عقبہ ہوئی تھیں، وہاں ایک کافی بڑی مسجد بھی ہے، جس پر گو چھت نہیں ہے، لیکن قبلہ رُخ اور منا کی سمت کی بیرونی دیوار پر دو قدیم کونی کتبے ہیں۔ جسے آج کل مسجد العشرہ کہتے ہیں، اس میں شبہ نہیں کہ یہی مسجد بیعت عقبہ ہے[1]۔

عقبہ میں تین بیعتیں | یہی وہ مقام ہے جہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین برس مسلسل تین بیعتیں لی ہیں پہلی بیعت ماہ رجب سنہ ۱۱ نبوی میں یثرب (مدینہ) کے قبیلہ خزرج کے چھ افراد سے لی۔ موسم حج کے موقعے پر یہ لوگ بھی آئے ہوتے تھے۔ عقبہ کے قریب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے ملاقات ہوئی تو آپ نے حسب معمول ان کو اسلام کی دعوت دی اور قرآنِ مجید کی چند آیات پڑھیں یثرب میں ان لوگوں کا رہن سہن یہود کے ساتھ تھا اور چوں کہ یہ اہلِ کتاب تھے اس لئے ان کو معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آخرالزماں آنے والا ہے، اس بات کا چرچا اور تذکرہ وہ آپس میں کرتے رہتے تھے اور کبھی کبھی اوس اور خزرج کے لوگوں سے بھی کہتے تھے کہ جب وہ پیغمبر آئے گا تو ہم اس کی اطاعت قبول کر کے تم لوگوں پر حکومت کریں گے۔ قرآنِ مجید کی اس آیت میں یہود کی ان باتوں کی طرف ہی اشارہ کیا گیا ہے:۔

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ	پہلے تو یہ لوگ (یہود) پیغمبر کے ذریعہ کافروں پر فتح پانے کی باتیں کرتے تھے، لیکن جب وہ وقت آگیا جسے یہ جانتے تھے تو یہ پیغمبر کا انکار کر بیٹھے۔

اس بنا پر اب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے ان لوگوں نے اسلام کا پیغام اور قرآنِ مجید کی آیات سنیں تو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے ان کے دل

[1] عہد نبوی کے میدانِ جنگ ص ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے دروازہ پر دستک دی ہو۔ وہ بہت متاثر ہوئے، آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بولے: ہم کو جلدی کرنی چاہئے، کہیں یہود ہم پر سبقت نہ لے جائیں۔ اور فوراً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر لی۔

دوسرے برس یعنی سنہ ۱۱ نبوی میں موسم حج کے موقع پر بارہ اشخاص آئے، ان میں پانچ تو وہی گزشتہ سال کے تھے، ان کے علاوہ سات نئے تھے، یہ بھی مسلمان ہو گئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی بیعت لی جس کو العقبۃ الثانیہ کہا جاتا ہے، تیسرا برس یعنی سنہ ۱۲ ن۔ ہوا تو اس مرتبہ لوگ کثرت سے آئے، ان میں وہ انصار بھی تھے جو مسلمان ہو چکے تھے اور ان کے علاوہ کافر بھی بڑی تعداد میں تھے، ان میں سے ۷۲ آدمیوں نے جن میں دو عورتیں بھی تھیں شب کے کسی حصہ میں پوشیدہ طور پر عقبہ پہنچ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ اس کو العقبۃ الثالثہ کہتے ہیں[1]۔

مدینہ میں اسلام کی تبلیغ واشاعت اب اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے مکہ کا دروازہ بند تھا تو خدا نے اس کے لئے مدینہ کا دروازہ کھول دیا۔ پہلی بیعت کے بعد ہی وہ چھ انصار مدینہ واپس لوٹے تو جاتے ہی انھوں نے اسلام کی تبلیغ واشاعت شروع کر دی یہاں تک کہ ارباب سیر کا بیان ہے کہ مدینہ میں انصار کا ایک گھر بھی ایسا نہیں تھا جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ نہ ہو، پہلی بیعت جن حضرات نے کی تھی وہ سب قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، دوسری بیعت سے اس دائرہ میں مزید وسعت پیدا ہوئی اور اس مرتبہ جن لوگوں نے بیعت کی اُن میں دو شخص ابو الہیثم بن التیہان اور عویم بن ساعدۃ قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے، جب یہ لوگ مدینہ واپس ہونے لگے تو آں حضرت صلی اللہ

---

[1] ان تینوں عقبات کا مفصل تذکرہ ابن ہشام، ابن سعد، طبری، ابن عبد البر، ابن حزم، ابن سید الناس ابن کثیر، اور النویری سب نے کیا ہے اور متعلقہ اشخاص و افراد اور اُن کے قبیلوں کے نام لکھے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علیہ وسلم نے حضرت ابن مکتوم اور حضرت مصعب بن عمیر کو جو المقری القاری (معلم اور قاری) کے لقب سے مشہور ہیں ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ ان کا کام یہ تھا کہ انصار میں جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان کو قرآن مجید پڑھاتے، اسلام کے احکام و مسائل کی تعلیم دیتے اور نماز میں امامت کرتے تھے، اس وقت تک نماز جمعہ کی فرضیت کا حکم نہیں ہوا تھا اس کے باوجود حضرت مصعب بن عمیر انصار کو جن کی تعداد اس وقت چالیس تھی مدینہ کے قرب میں بقیع الخضمات نام کی ایک جگہ تھی وہاں جمعہ کی نماز پڑھاتے تھے، دار قطنی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ مصعب بن عمیر کا اجتہاد نہیں تھا۔ بلکہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ایما کیا تھا۔

حضرت مصعب صرف معلم اور امام نہیں تھے، بلکہ ان کا فرض اسلام کی تبلیغ و اشاعت بھی تھا، اس فرض کو انھوں نے اس خوبی سے انجام دیا کہ انصار کثرت سے ان کے ہاتھوں پر مسلمان ہوئے یہاں تک کہ اب انصار کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس میں اکے دکے لوگوں کو چھوڑ کر مسلمان نہ ہوں[۱]۔

عقبۂ ثالثہ کے موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ اشخاص کو جن میں نو قبیلۂ خزرج کے تھے اور تین قبیلۂ اوس کے نقبا بھی مقرر فرمایا تھا۔ یہ نقیب کی جمع ہے، نقیب اُس شخص کو کہتے تھے جو اپنے قبیلہ میں سب سے زیادہ ممتاز اور معتمد علیہ ہوتا تھا۔ قبیلہ کے حالات اور ان کے اسرار سے واقف ہوتا تھا اور ضرورت کے وقت ان کی نمائندگی بھی کرتا تھا۔

بیعت کن چیزوں پر لی گئی عقبہ کی ان تینوں بیعتوں کا ذکر تمام کتب سیرت میں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ بیعت کن چیزوں پر لی گئی تھی اور اس معاملہ میں تینوں بیعتوں کا حال یکساں ہے یا اُن میں فرق ہے اور اگر فرق ہے اور یقیناً ہے تو کیوں ہے حقیقت یہ ہے کہ عقبہ

---

[۱] ابن عبدالبر ص ۴۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اولیٰ کے موقع پر جو بیعت لی گئی اُس کی نسبت حافظ ابن عبدالبر صرف اس قدر لکھتے ہیں

فاسلموا به وبايعوا — یہ لوگ اسلام لے آئے اور انھوں نے بیعت کی۔[1]

عقبۂ ثانیہ کے موقع پر جو بیعت ہوئی اُس کی نسبت تحریر فرماتے ہیں۔

فبایع رسول اللہ صلی اللہ هولاء عند العقبة على بيعة النساء، ولم يكن أمر بالقتال بعد[2] — آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ کے پاس ان لوگوں سے ایسی بیعت لی جیسی عورتوں سے لی جاتی ہے اور اب تک جنگ کا حکم نہیں ہوا تھا۔

یعنی یہ بیعت صرف اسلام قبول کرنے پر تھی اور اُس کے بنیادی اجزا یہ تھے کہ بیعت کرنے والا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرے گا۔ سرقہ اور زنا نہیں کرے گا، اولاد کو قتل نہیں کرے گا، کسی پر تہمت نہیں لگائے گا اور احکام خداوندی کی نافرمانی نہیں کرے گا۔

لیکن اب عقبۂ ثالثہ کا موقع آیا تو بیعت کا مضمون بدل جاتا ہے، ابن ہشام کی روایت کے مطابق بیعت کرنے والے نے اپنا ہاتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا تو آپ نے فرمایا:۔

"میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری حفاظت اسی طرح کروگے جس طرح تم اپنی عورتوں اور بچوں کی کرتے ہو" اس کے جواب میں ان میں سے ہر شخص نے کہا: "قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، ہم آپ کی حفاظت اپنی عورتوں اور بچوں کی طرح کریں گے، یا رسول اللہ! آپ ہماری بیعت قبول فرمائیے۔ ہم لوگ جنگوں کی گود میں پلے اور بڑھے ہیں اور

---

[1] ابن عبدالبر ص ۷۱
[2] ابن عبدالبر ص ۷۲
[3] ابن ہشام ج ۲ ص ۸۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنگ آزمائی ہم کو باپ دادا سے ورثہ میں ملی ہے۔[1]

حافظ ابن عبد البر نے اسی مضمون پر اتنا اور اضافہ کیا ہے :-

وان یرحل الیھم ھو واصحابہ — اور نیز اس پر بیعت لی کہ حضور اور آپ کے ساتھی مدینہ چلے جائیں گے۔

اور پھر آگے چل کر کہتے ہیں :-

وکانت البیعۃ لیلۃ العقبۃ الثالثۃ علی حرب الاسود والاحمر، واخذ لنفسہ واشترط علیھم لربہ، وجعل لھم علی الوفاء بذالک الجنۃ۔ (ص ۷۹)

عقبۂ ثالثہ کی شب میں آپ نے جو بیعت لی تھی، آپ نے خود اپنی حفاظت کا بھی ان سے وعدہ لیا اور اگر انھوں نے یہ وعدہ پورا کیا تو آپ نے اس پر ان کو جنت کی بشارت دی۔

<u>عقبۂ ثالثہ کی اہمیت</u> مورخین وارباب سیر عقبۂ ثالثہ کی بیعت پر سرسری طور پر گذر گئے ہیں، لیکن درحقیقت یہ اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ جو شخص بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفسیاتی مطالعہ کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے گا کہ کس واقعہ کا آپ کے ذہن میں کیا تاثر اور کیا رد عمل پیدا ہوا وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اب جب کہ ایک طرف کفار قریش کی شیطنت، فتنہ پردازی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سخت معاندانہ سرگرمیوں میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور دوسری جانب مدینہ میں اسلام کے قدم جم رہے اور اُس کو پھولنے پھیلنے کا موقع مل رہا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبۂ ثالثہ کے وقت ہی کفارِ قریش سے جنگ کرنے اور ابھی سے اُس کی تیاریاں شروع کر دینے کا قطعی فیصلہ کر لیا تھا، یہ صحیح ہے جیسا کہ ابوبکر جصاص نے کتاب احکام القرآن میں نقل کیا ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ قتال ہجرت سے پہلے ممنوع

[1] ابن ہشام ج ۲ ص ۴۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یکن جس طرح ہجرت کا حکم بعد میں نازل ہوا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
ے کا فیصلہ پہلے سے کر رکھا تھا، چنانچہ خود عقبۂ ثالثہ کی بیعت میں اس کا ذکر ہے
ب اسی طرح آیاتِ قتال (۱) وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا
وا الآیۃ اور (۲) أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ
ہِمْ لَقَدِيرٌ[۲] اگرچہ ہجرت کے بعد نازل ہوئیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ
ضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کا منصوبہ ہجرت سے پہلے ہی بنالیا تھا، البتہ
نصوبہ نے عملی شکل اس وقت اختیار کی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو
نہ اجازت مل گیا۔

یکیوں ناگزیر تھی | یہ منصوبہ جنگ کیا تھا؟ اس کا مفصل تذکرہ تو بعد میں اپنے موقع ومحل
ئے گا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے جنگ کرنے کا فیصلہ کیوں کیا؟ یہی
وال ہے جس کا صحیح جواب دریافت نہ ہونے کے باعث آں حضرت صلی اللہ علیہ
کے غزوات وسرایا سے متعلق غیر مسلموں میں غلط فہمی پیدا ہوئی اور انھوں نے اسلام
عون کیا اور زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ عام مسلمان تو درکنار بعض علما بھی غلط
ے سے محفوظ نہ رہے۔

لموں کی غلط فہمی | غیر مسلموں کی غلط فہمی کیا تھی؟ مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ اسلامی مورخین
بت مغازی کے سلسلہ کا جو واقعہ جس طرح سنتے ہیں روایت کر دیتے ہیں اور از راہ
یاط روایت کو اپنی رائے کی آمیزش سے محفوظ رکھنے کی غرض واقعہ کا سبب بیان نہیں
ے اس طرح احتیاط فی الروایۃ کا حق تو ادا ہو گیا، لیکن اس سے عام ناظرین پر

اور اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ مگر خبردار! حد سے تجاوز نہ کرنا۔
جو لوگ مظلوم ہونے کی بنا پر جنگ کرتے ہیں ان کو جنگ کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے اور
بے شک اللہ ان لوگوں کی نصرت پر بہ ہمہ وجوہ قدرت رکھنے والا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا اشارہ ملتا ہے کہ کفار پر حملہ کرنے اور ان کو تباہ و برباد کرنے کے لئے کسی سبب اور وجہ کی ضرورت نہیں، صرف یہ عام وجہ کافی ہے کہ وہ کافر ہیں، اُسی سے مخالفین یہ استدلال کرتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے۔ (سیرت النبی ج ۱ ص ۵۸)

بعض علماء کی غلط فہمی | مولانا شبلی نے غیر مسلموں کی جس غلط فہمی کا ذکر کیا، بعینہٖ یہ تو نہیں لیکن بعض علماء نے اسی کے قریب قریب اظہار خیال کیا ہے، مثلاً مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف صاحب داناپوری رقمطراز ہیں:-

"جب حق واضح ہوگیا اور باطل ظاہر ہوگیا تو چوں کہ تبلیغ اور حمایت احکام الہٰی بجمیع لوازمہ مامور بہ ہے اس لئے سارے کافروں سے کا فتہ وہ ابتدا کریں یا نہ کریں مقاتلہ بھی مامور بہ ہوا۔ بشرطیکہ نیت محض تبلیغ احکام ہو، حق و باطل کے ظاہر ہو جانے کے بعد حق کے لئے مجبور کرنا اور باطل کو جبراً ترک کرانا اکراہ فی الدین رہا"

اسی سلسلۂ کلام میں آگے چل کر لکھتے ہیں:-

"آپ (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے شاہانِ عالم اور اقوام دنیا کو دعوت توحید دی اور بتا دیا کہ عدم قبول کی حالت میں ہم بامر اللہ جہاد بالسیف پر مامور ہیں۔ جیسا کہ ان خطوں کی عبارتوں سے واضح ہے۔ (اصح السیر ص ۴۱۱)

جنگ کا فیصلہ کرنے کی حقیقی وجہ | اس بناء پر ضروری ہے کہ اس سوال کے جواب پر کسی قدر تفصیل سے گفتگو کی جائے اور یہ معلوم کیا جائے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل ہی جنگ کرنے کا جو فیصلہ کیا اور جس کی تیاری آپ نے عقبۂ ثالثہ سے شروع بھی کر دی اُس کی حقیقی وجہ کیا تھی؟

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل منصب | اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو منصب عطا فرمایا تھا وہ رسالت ہے، یعنی ایک دینِ قیم جو انسان کی دینی اور دنیوی، ظاہری اور باطنی زندگی کے فوز و فلاح کا ضامن اور کفیل تھا آپ اُس کے داعی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مبلغ بنا کر بھیجے گئے تھے، لیکن اس سلسلہ میں دو باتیں نہایت اہم اور یاد رکھنے کی ہیں

(۱) ایک یہ کہ جہاں تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت اور اُس کے متعلقہ اُمور کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے اُس کو قرآن مجید میں بار بار بڑی شدت اور قوت سے بیان فرمایا اور حضور کو اس طرف متوجہ کیا ہے: مثلاً - قُمْ فَانْذِر : آپ کھڑے ہو جئے اور عذابِ الٰہی سے ڈرا دیئے، بلغ ما انزل الیك : جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اُس کی تبلیغ کیجئے، فاصدع بما تؤمر: جن چیزوں کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے واشگاف بیان کیجئے،

(۲) دوسری یہ کہ تبلیغ و تذکیر اور دعوت و ارشاد کے حکم کے ساتھ تکرار و تاکید کے پیرایہ بیان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی جتا دیا گیا ہے کہ ہدایت و ضلالت کی کنجی اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے ہاتھ میں رکھی ہے، اور اس کا دارومدار ہر انسان کی اپنی فطری استعداد و صلاحیت پر ہے اس لئے آپ کا جو کام ہے وہ کرتے رہئے اور اس مخمصہ میں ہرگز نہ پڑیئے کہ کون آپ کی دعوت کو قبول کرتا ہے اور کون نہیں کرتا ان سب کا معاملہ خدا کے سپرد ہے :- چنانچہ فرمایا گیا :-

فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ ه لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ه اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ه فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ه (الغاشیہ)

پس اے محمدؐ آپ ان کو سمجھا دیجئے، اور آپ تو صرف سمجھانے والے ہی ہیں اور ان لوگوں پر کوئی داروغہ تو نہیں ہیں، مگر ہاں! ان میں جو لوگ روگردانی اور کفر کریں گے، اللہ ان کو بڑا عذاب دے گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا :-

فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ (آل عمران)

پھر یہ لوگ اگر مسلمان ہو گئے تو ہدایت یاب ہو گئے، اور اگر انھوں نے روگردانی کی تو آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو اس سے کیا) آپ کا فرض تو صرف ابلاغ ہے

ایک آیت میں آپ کو یاد دلایا گیا :-

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ٥ البقرہ

ہم نے تو بے شبہ آپ کو حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، اور اصحابِ دوزخ کی نسبت آپ سے باز پرس نہ ہوگی۔

ایک آیت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوسرے مبلغین و داعیان حق کے لئے ایک عام اصول اور کلیہ کے طور پر بیان کیا گیا۔

لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ

جب تم ہدایت پر ہو تو جو لوگ گمراہ ہیں وہ تمھارا کیا بگاڑ لیں گے۔

ہدایت اور ضلالت بے شک اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، لیکن جو لوگ بار بار کی تذکیر اور انذار و تبشیر کے باوجود پیغامِ حق کو قبول نہیں کرتے تھے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمتِ عالم ہونے کے باعث اس کا سخت صدمہ اور ملال ہونا تو ایک امر طبعی تھا ہی، ملاحظہ فرمائیے اللہ تعالیٰ کس شفقت آمیز تہدید کے پیرایہ میں اس صدمہ کو حضور کے دل سے دور کرنا چاہتا ہے۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا
(الکہف)

اگر یہ لوگ ان باتوں پر ایمان نہ لائے تو شاید آپ افسوس کے مارے اپنا جی ہلکان کر دیں گے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوا :-

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ (النمل)

آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور آپ نپٹ بہروں کو بھی اپنی پکار نہیں سنا سکتے جب یہ روگرداں ہو کر اور پیٹھ پھیر کر چلتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک اور مقام پر فرمایا گیا :-

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ (القصص)

جس کو آپ چاہیں، ہدایت نہیں دے سکتے، لیکن ہاں! اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے،

اچھا! اگر لوگ آپ کی دعوت قبول نہ کریں اور آپ کے پیغام پر کان نہ دھریں تو اس حالت میں حضور کو کیا کرنا چاہیئے؟ اللہ تعالیٰ نے اس سوال کا جواب بھی پردۂ راز میں نہیں رکھا۔ صاف ارشاد ہوا :-

فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ۔ (التوبہ)

اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو آپ کہئے: "مجھ کو اللہ کافی ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں نے اُس پر بھروسہ کیا ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

اور یہ آیت تو پہلے بھی آچکی ہے :-

فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ

اگر یہ روگردانی کریں تو بہرحال آپ کا فرض تو صرف ابلاغ ہی ہے۔

یہ جو کچھ آپ نے پڑھا اُس سے بلا شائبۂ ریب و شک یہ صاف ظاہر ہے کہ بحیثیت رسول اللہ ہونے کے آپ کا فرض منصبی صرف ابلاغ۔ دعوت اور تذکیر تھا اور آپ یہ دیکھنے کے ہرگز مکلّف نہیں تھے کہ کون آپ کا پیغام قبول کرتا ہے اور کون قبول نہیں کرتا۔ کون ایمان لاتا ہے اور کون کفر پر قائم رہتا ہے پس جب کسی شخص کے مسلمان ہونے نہ ہونے کی ذمہ داری اور مسئولیت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد ہی نہیں ہوتی تو ظاہر ہے اسلام کے قبول نہ کرنے پر جنگ کرنا یا کسی کو اُس کے قبول کرنے پر مجبور کرنا اسلام میں کیونکر جائز ہو سکتا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن کی پوری حیاتِ طیبہ قرآن کی عملی تفسیر ہے آپ سے اس کا صدور کیوں کر ممکن ہے۔

دین میں جبر نہیں | جو لوگ اسلام میں جبر کی بات کرتے ہیں، خواہ وہ غیر مسلم ہوں یا مسلمان، وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اسلام کی فطرت ہی ایسی ہے کہ وہ جبر کے ساتھ جمع ہو ہی نہیں سکتا، کیوں کہ اسلام میں ایمان کی پہلی شرط ہے تصدیق بالجنان، یعنی دل سے سچ جاننا۔ اور ظاہر ہے جبر سے یہ تصدیق حاصل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا:۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۔ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ) — دین میں زبردستی کا کیا سوال؟ حق تو باطل سے صاف صاف متمیز ہو چکا ہے۔

علامہ سید رشید رضا تفسیر المنار میں اسی موقعے پر لکھتے ہیں:۔

قاعدۃ کبریٰ من قواعد دین الاسلام ورکن عظیم من ارکان سیاستہ فھو لا یجوز اکراہ احد علی الدخول فیہ (بحوالہ تفسیر ماجدی ج ا ص ۴۰۰) — یہ آیت دین اسلام کے ایک اہم ضابطہ اور اسلامی سیاست کے ایک عظیم رکن کی نشاندہی کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام میں داخل ہونے پر کسی کو مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن جوزی نے اس آیت کے اسبابِ نزول تین لکھے ہیں، لیکن سب سے زیادہ قوی اور قابلِ ترجیح جو سبب ہے وہ یہ ہے کہ جب بنو نضیر کو مدینہ سے جلا وطن کیا گیا تو ان لوگوں میں انصار کے چند بیٹے بھی تھے، انصار نے کہا: ہم اپنے بیٹوں کو یہود کے ساتھ نہیں جانے دیں گے اور ان کو اسلام پر مجبور کریں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوتی (زاد المسیر فی علم التفسیر ج ا ص ۳۰۵)[1]

بہرحال یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ مکہ کے

---

[1] جن چند حضرات نے آیت کے ان دو لفظوں کے متعلق خواہ مخواہ ناسخ و منسوخ کی بحث اٹھائی ہے اس موقع پر ان کی نسبت اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اف جنگ کرنے کا جو فیصلہ کیا تھا وہ ہرگز اس لئے نہیں تھا کہ یہ لوگ دعوتِ اسلام کو دل کیوں نہیں کرتے اور دینِ قیم کے حلقہ بگوش کیوں نہیں بنتے، بلکہ یہ فیصلہ اس پر مبنی تھا کہ بحیثیت پیغمبر کے آپ کا جو فرضِ منصبی ہے، یعنی ابلاغ، دعوت، تذکیر اور انذار و تبشیر لوگ اسے انجام نہیں دینے دیتے۔ اُس میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں، حضور تذلیل و توہین، استہزاء و تمسخر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے، جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں ان کا جینا مشکل کر دیا ہے، دینِ حق کے ساتھ دشمنی کی انتہا ہے کہ اس دین کے داعی کے قتل کر دینے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں، مطعم بن عدی کی پناہ میں آنے کے بعد حضور نے مکّہ سے باہر فریضۂ رسالت کو انجام دینا شروع کیا ہے تو ان ظالموں نے یہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑا۔ آپ جہاں جاتے ہیں یہ بھی پہنچ جاتے ہیں، اور جن لوگوں سے آپ خطاب فرماتے ہیں ان کو طرح طرح سے ورغلاتے، ڈراتے اور دھمکاتے ہیں، حضور کے خلاف اُن کو بھڑکانے اور مشتعل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عصبیتِ جاہلیہ کیا بُری شے ہے کہ انسان دن کو شبِ تاریک کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے، ورنہ وہ لوگ جو غزواتِ نبوی پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں اگر اُن میں ذرا بھی انصاف پسندی اور حق شناسی کی رمق ہو تو انھیں اور ان کے ساتھ ساری دنیا کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم احسان کا شکرگزار ہونا چاہئے کہ آپ نے سخت ترین لڑائیاں لڑ کر انسان کے لئے ضمیر کی آزادی، عقیدہ کی آزادی، عمل کی آزادی، اور اظہار و بیان کی آزادی کی راہیں کشادہ کیں اور صدیوں کی جہالت اور تعصب نے انسانی فکر و ذہن کو جمود و بے حسی، غلط بینی و غلط اندیشی کی جن زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا انھیں پاش پاش کیا، جب تک ایسا نہ ہوتا نہ انسانی تہذیب و تمدن میں ترقی ہو سکتی تھی، نہ علوم و فنون میں ارتقاء ہو سکتا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان اپنی انسانیت کی متاعِ گم شدہ کو واپس نہیں پا سکتا تھا آج یورپ کو اپنے عہدِ تعقل (THE AGE OF REASON) پر فخر ہے، جس کا آغاز سولھویں صدی سے ہوتا ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن اس عہد کا اصل سرچشمہ کہاں ہے، سب سے پہلے کس نے انسانی عقل و شعور کو جھنجھوڑا۔ اسے انفس و آفاق میں غور کرنے کی دعوت دی، وہ کون ہے جس نے انسان کو احساسِ کمتری سے اس عہد تعقل سے بھی صدیوں پہلے نجات دی اور اُس کے حقیقی شرف و مجد کا اعلان کیا، مجلسِ اقوام متحدہ کی "دستاویز حقوقِ انسانی" عہدِ جدید کے انسان کا مقدس صحیفۂ اخلاق ہے لیکن اعلیٰ مکارم و اخلاق جنھوں نے وحشیوں کو دنیا کی شائستہ ترین قوم بنادیا ان کا صور سب سے پہلے کس نے پھونکا! سوچنا چاہیے کہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصبیت جاہلیہ کے خلاف جنگ کر کے اسے ختم نہ کردیتے تو انسانی تہذیب و تمدن اور کائناتِ عالم میں غور و فکر کا کاروان ترقی کی کس منزل میں ہوتا؟

<u>ایک شبہ اور اس کا ازالہ</u> آپ اوپر پڑھ آئے ہیں کہ عقبۂ ثالثہ کی بیعت کے سلسلہ میں حافظ ابن عبدالبر نے یہ الفاظ لکھے ہیں کہ:

وکانت البیعۃ علی حرب الاسود والاحمر	اور یہ بیعت کالے اور گورے سب سے جنگ کرنے پر لی گئی تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ کفار قریش سے جنگ کرنے کے تو اسباب و وجوہ موجود تھے لیکن دنیا کے سب لوگوں نے کیا قصور کیا تھا جس کی وجہ سے حضور نے اُن سب کے خلاف جنگ کرنے کی بیعت لی!

جواب یہ ہے کہ جملۂ زیر بحث عربی زبان کا ایک محاورہ ہے اور اردو میں اس کا صحیح ترجمہ ہوگا۔ عرب و عجم سے لڑائی مول لینے پر، نہ کہ "جنگ لڑنے پر" قاعدہ ہے کہ کوئی شخص کسی کی محبت اور عشق میں دیوانہ ہوجاتا ہے اور اپنے محبوب کی مرضی کے سوا کسی اور کی پرواہی نہیں کرتا، یا ایک شخص کوئی غیر معمولی کارنامہ انجام دینے کے لئے کمربستہ ہوتا ہے اور اپنی دُھن میں کسی کی نہیں سُنتا، کسی کی رائے اور مشورہ قبول نہیں کرتا تو کہتے ہیں: "اس شخص نے ساری دنیا سے لڑائی مول لے لی ہے" پس اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اس وقت یہ ارشاد فرما کر بیعت کرنے والوں کو یہ جتانا چاہا کہ وہ اسلام کو قبول کر کے جس راہ پر گامزن ہو رہے ہیں اُن کو سمجھنا چاہیئے کہ یہ راہ آسان نہیں ہے، اس میں کانٹے بچھے ہوتے ہیں، قدم قدم پر ان کی سخت مخالفت ہوگی، ان کو ہر مرحلہ پر دشمنوں سے سابقہ ہوگا، ان کو تکلیفیں اور مصیبتیں جھیلنی ہوں گی اور جان و مال کی قربانی پیش کرنی ہوگی۔ اگر وہ اس راہ پر عزم و استقلال اور ثابت قدمی سے جمے رہے تو اللہ تعالیٰ ان کو اس کا انعام دے گا، اور زمین و آسمان کے خزانے ان کے لئے اپنے دروازے کھول دیں گے۔ حضور کو یقین تھا کہ چوں کہ اسلام کو دُنیا کے ہر گوشے میں پہنچنا ہے اس بنا پر آج مکہ میں جو صورتِ حال پیش آئی کل پورے عرب و عجم میں اس کو یہی صورتِ حال پیش آئے گی اور اُس سے بھی اسی طرح نپٹنا ہوگا جس طرح اب مکّہ کے لوگوں سے نپٹنا ہے، اسی بنا پر حضور کے اس ارشاد کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ خواہ مخواہ ساری دنیا سے جنگ کرنی ہے، بلکہ مقصد آیندہ کے خطرات اور دشواریوں کی طرف متوجہ کر کے ان لوگوں کو انھیں انگیز کرنے اور حسب تقاضائے وقت و مصلحت ان سے عہدہ برآ ہونے پر آمادہ و مستعد کرنا تھا۔

ہجرت کی تیاری اب جب کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا آپ کے لئے مکّہ سے ہجرت کر جانا ضروری تھا۔ چنانچہ آپ نے ہجرت کا عزمِ صمیم کر لیا لیکن رحمتِ عالم کو اپنے سے زیادہ فکر دوسروں کی رہتی تھی۔ اس لئے آپ نے عقبۂ ثالثہ کی بیعت کے بعد ہی جس کا علم کفار کو نہیں تھا۔ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا۔[1]

(باقی)

---

[1] ہجرت کے حکم کے بارہ میں حسب معمول علما کا اختلاف ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ اگرچہ ہجرت اسلام کے لئے شرط نہیں تھی، لیکن اس وقت فرض کر دی گئی تھی اور اُس کی وجہ جیسا کہ لوگوں کا عام خیال ہے یہ نہیں تھی کہ مسلمانوں کو گوشۂ عافیت، درکار تھا۔ بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ ہجرت کفار مکہ کے ساتھ جنگ کے منصوبہ کا ایک جز اور "کلمۃ اللہ" کو کفار کے قبضہ سے نکال لینے کا پیش خیمہ تھی، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے والذین آمنوا ولم یہاجروا ما لکم من ولایتہم من شیء حتی یہاجروا وہ لوگ جو ایمان لائے لیکن ہجرت نہیں کی ان کی تم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ مگر ہاں اُس وقت جب وہ ہجرت کریں۔

© rasailojaraid.com